ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.1 (2026)
(January to March)

سماجی اصلاح کا تصور، ڈپٹی نذیر احمد اور ردِ استعماریت

The Concept of Social Reform, Deputy Nazeer Ahmed and Anti-Colonialism

محمد عامر سہیل
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو زبان وادب، یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
ڈاکٹر سمیرا اعجاز
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو زبان وادب، یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

Muhammad Amir Sohail
Ph.D Scholar, Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha
muhammad.amir@uos.edu.pk
Dr. Sumaira Ijaz
Associate Professor, Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha
sumaira.ijaz@uos.edu.pk

Article Details
Received:
February 28, 2026
Accepted:
March 15, 2026
Online Published:
March 30, 2026

Copyright: © 2026 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: A new concept of reform emerged in the context of the clash between Indo-Muslim culture and Western culture. The beginning of Urdu novel writing was marked by a reformative tendency. During this era, Deputy Nazeer wrote novels for the purpose of national development, the betterment of Muslim society, the acquisition of modern education, and to prevent secularism. Regardless of Deputy Nazeer's stance on colonial rule, anti-colonial trends can be found in his work. In the cultural clash between the East and West, Nazeer Ahmed's inclination towards Eastern traditions, values, culture, and religion is clear. His characters return to Eastern, local, and religious roots. Nazeer Ahmed is against Western imitation, Westernism, English customs, and the secularism spreading because of Western education.

Key words: Social Reform, Nazeer Ahmad, Western Civilization, National Progress, British Colonialism, British Rule, Orientalism, Cultural Conflict, Atheism, Anti-Colonialism

ہندوستانی تاریخ میں ۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء تک 'عہدِ نو' شمار ہوتا ہے۔ جس میں مغلیہ سلطنت کا زوال، خانہ جنگیاں، ہندو قومیت کا آغاز، ہندو طبقاتی تقسیم کے خاتمہ کی جدوجہد، مسلم معاشرے میں انتشار، مسلم حکمرانوں پر زوال، ایسٹ انڈیا کمپنی کی پے در پے فتوحات، کمپنی کا سیاسی تسلط اور انتظامی کنٹرول شامل ہے۔ اسی عرصے میں ہندو مسلم کلچر میں مغربی کلچر کی شمولیت اور آویزش بھی سامنے آئی۔ ہندو اس نئی سماجی و تہذیبی تبدیلی میں ڈھل کر نئے خطوط پر چلنے لگے۔ ہندو مصلح راجا رام موہن رائے (۱۷۲۲ء تا

۱۸۳۳ء) مغربی ترقی اور علوم و فنون کی اہمیت سے واقف تھے۔ انھوں نے ہندو سماج کی اصلاح و ترقی اور اسے خامیوں سے نجات دلانے کے لیے 'برہمو سماج' کی بنیاد ڈالی۔ مغربی تعلیم کو اہمیت دی گئی۔ سوامی دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ء تا ۱۸۸۳ء) نے 'آریہ سماج' کی تحریک شروع کی۔ اس سے ہندو سماج میں اصلاح، مغربی تعلیم کا فروغ اور ملازمتوں کا حصول ممکن ہوا۔ جبکہ مسلمان اپنی سیاسی شکست سے دوچار حالات میں احساس محرومی میں مبتلا رہے تھے۔ تاوقتیکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے مسلمانوں کا بقیہ مورال بھی ختم کر دیا۔ اس صورت حال میں مسلمانوں ہر طرح کے سیاسی و سماجی بحران میں مبتلا ہو گئے۔ ہندوؤں کے مقابلے میں مغربی تعلیم اور جدید علوم و فنون سے ان کی موانست کم تھی جو مزید محرومی و شکست و ریخت کا سبب بنی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی حالت زار اور قدیم و جدید میں ہم آہنگی و آویزش کو دیکھتے ہوئے سید احمد خان (۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۸ء) نے تعلیمی و سماجی اصلاح کی تحریک شروع کی جو سرسید یا علی گڑھ تحریک کے نام سے پہنچانی گئی۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو جدید مغربی تعلیم سے آراستہ کرنا، موجودہ نئی تہذیبی صورت حال میں ڈھالنا، حاکموں کے ساتھ قربت دلانا، قومی ترقی کے لیے تعلیم حاصل کرنا اور مسلم سماج کی اصلاح کرنا تھا۔ تاکہ وہ نئی تہذیبی، سماجی اور سیاسی تبدیلیوں کو قبول کریں۔ اصل مدعا یہ تھا کہ کسی مزاحمت یا تخریب کی طرف رجوع نہ کریں۔ قومی ترقی اور تعلیم کے لیے اپنی مدد آپ کریں۔ وہ تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی زور دیتے رہے۔ سرسید فکر کے مطابق حالات مسلمانوں کے لیے سازگار نہیں، چناں چہ ضرورت اس امر کی ہے اول مسلمان جدید تعلیم حاصل کریں جس سے ان کی ذہنی پختگی ہو، قومی شعور بیدار ہو اور اصلاح کا سبب بنے۔ اس نئی تعلیم جو علوم مفیدہ (دنیاوی) کی حامل ہے اس کے حصول کے لیے سرسید روایتی مکتب، مشنری اسکول، خیراتی ادارے اور گورنمنٹ کالج سے زیادہ اپنے نجی تعلیمی اداروں کو ترجیح دیتے ہیں، دوم انگریز حاکموں سے تخریب، مزاحمت یا نفرت کے بجائے اتحاد کا تعلق قائم ہو۔ قومی بہتری و ترقی کے لیے سرسید کے سامنے یہی دو پہلو بنیادی طور پر ہمیں نظر آتے ہیں۔ سرسید اپنے مضمون "مدرسۃُ العلوم علی گڑھ کے تاریخی حالات" (دسمبر ۱۸۸۹ء) میں لکھتے ہیں:

> میں نے قومی بہتری کے لیے وہ دو اصول مستحکم طور پر قائم کر لیے ایک تعلیم دوسرا انگریزوں سے اصلی اتحاد و دوستی۔۔۔ پس انھی دو اصولوں کو میں نے اختیار کیا اور انھیں اصولوں پر جن کو میں کبھی چھوڑنے کا قومی بھلائی پر کمر باندھی۔ (۲)

سرسید تحریک کے مذکورہ بالا مقاصد اپنے وقت میں 'نوآبادیاتی فکر' کے تابع تھے۔ لیکن ان کے اثرات آئندہ استعمار مخالف رجحانات کے طور پر سامنے آئے۔ محققین و ناقدین اس بات پہ متفق ہیں کہ سرسید تحریک نے استعماری عزائم کو فروغ دیا اور انھیں تقویت دی۔ تاہم غور کریں تو علی گڑھ تحریک کے اثرات سے ہی مسلمان میں وہ سیاسی و سماجی اور ملی و قومی شعور بیدار ہوا جو آگے چل کر برطانوی استعماریت سے آزادی کی جدوجہد میں نظر آتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے اس شعور نے آزادی و حریت کے جذبات پیدا کیے۔

ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۶ء ۱۹۱۲ء) اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔ ان کے کُل سات ناول ہیں۔ جن میں 'مراۃ العروس' (۱۸۶۹ء)، 'بنات النعش' (۱۸۷۳ء)، 'توبتہ النصوح' (۱۸۷۷ء)، 'محصنات المعروف فسانہ مبتلا' (۱۸۸۵ء)، 'ابن الوقت' (۱۸۸۸ء)، 'ایامی (۱۸۹۱ء)'، اور 'رویائے صادقہ' (۱۸۹۴ء) شامل ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں عورتوں کی تعلیم و تربیت، گھریلو سلیقہ مندی، مسلمانوں کے متوسط طبقہ کے طور اطوار، عصری حالات، نئی سماجی تبدیلیوں، سیاسی واقعات، بدلتی اقدار، مسلمانوں کی ترقی و بہبود، قدیم و جدید کی آویزش، بڑھتی لادینیت، تربیت اولاد، کثرتِ ازدواج کے مسائل، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید،

نو آبادیاتی عمل داری و اثرات اور سماجی اصلاح کو موضوع بنایا ہے۔ وہ بھی سر سید فکر سے متاثر علوم جدیدہ کی تعلیم، انگریزی حکومت سے وفاداری اور قومی و سماجی اصلاح کے قائل نظر آتے ہیں بلکہ اس کے فروغ میں ان کا کردار کلیدی ہے۔ وہ بطور محکوم انگریزی حاکمیت کی اطاعت کو فرضِ اسلامی سمجھتے ہیں۔ انگریزی حکومت کو 'حکومتِ صالحہ' قرار دیتے ہیں۔ وہ 'علم' کو اصلی طاقت سمجھتے ہیں۔ جو انھیں انگریزوں کے ہاں نظر آتی ہے۔ ان کا ماننا ہے اس اصلی قوت تک پہنچنے کے لیے علوم جدیدہ کی تعلیم مسلمانوں کی ضرورت ہے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ ناکام جنگِ آزادی کے بعد جو مسلمانوں کی حالت ہے، وہ نہایت بے بس، مایوس اور پریشان کن ہے۔ ان حالات میں مزید انگریز دشمنی اور کشیدگی سخت مضر ہے۔ انگریز مفاہمت اور مغربی علوم میں مہارت ہی نجات ہے۔ اس کے ساتھ نذیر احمد انگریزی انتظامات کو سراہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ریل، تار، نہر، شفاخانہ، مدرسے اور ڈاک کے انتظام سے بہتر کوئی انتظام نہیں۔(۳) انگریزی عمل داری کے حسنِ انتظام اور ترقی سے متاثر ہونا الگ بات جبکہ برطانوی استعماری کردار جو بنیادی طور پر غیر انسانی کردار ہے، اسے پہچاننا الگ بات ہے۔ نذیر احمد ان لوگوں میں شامل ہیں جو مغرب کے علمی و سیاسی غلبے سے متاثر ہو کر مفاہمتی رویہ اختیار کرتے ہیں۔ استعماری عمل داری کے تحت سماجی، قومی اور مذہبی اصلاح کے ساتھ حکومت کی خیر خواہی کی طرف متوجہ تو ہوتے ہیں لیکن مغربی علمی تشدد، نو آبادیاتی ڈسکورس اور برطانوی استعماریت کے غیر انسانی کردار کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

نذیر احمد کے دور میں استعماری عمل داری کے ساتھ مغربی تہذیبی اثرات نمایاں ہوئے، انگریزی تعلیم نے متوسط طبقے میں قبولیت حاصل کی، انگزیری تعلیم سے لادینیت پھیلی، علوم جدیدہ نے رواج پایا، سماجی اصلاح کا شعور بیدار ہوا۔ ان حالات میں مقامی باشندوں میں مغربی و مشرقی ہم آہنگی و آویزش کے پیش نظر تین گروہ سامنے آئے۔

> پہلا گروہ مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن سے مرعوب و متاثر تھا اور مشرقی و مغربی تہذیب و تمدن کے امتزاج کا حامی تھا۔ دوسرا گروہ کی تعلیم اور نئی تہذیب سے متاثر ہونے کے باوجود اپنی مشرقی وضع قطع اور صحت مند مذہبی روایات و احکامات کو کسی قیمت پر ترک کرنے کو تیار نہ تھا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جسے نئی حکومت اور نئی تعلیم و تہذیب کسی بھی حالت گوارا نہ تھی اور تمام معاملات و مسائل کا حل مذہب اور ماضی میں تلاش کرتا تھا۔(۴)

اشفاق احمد خاں کے نزدیک سر سید پہلے گروہ جبکہ نذیر احمد کا تعلق دوسرے گروہ سے ہے۔ نذیر احمد مغربی علوم و فنون کو سیکھنے اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے قومی ترقی کے خواہاں تھے لیکن وہ کسی صورت مشرقی طرزِ احساس، مذہبی احکامات اور مقامی تہذیبی اقدار و روایات سے گریز کے قائل نہ تھے۔ ان کے ناول اصلاحی نقطہ نظر اور فکری حوالہ رکھتے ہیں ان میں ایک طرف نو آبادیاتی فکر (Colonial Ideology) سے مرعوبیت، استعماری حاکموں سے قربت کی منشا اور جدید تعلیم کے حصول کی تاکید جبکہ دوسری طرف مغربی تہذیب کی اندھی تقلید، مغربی تعلیم سے پیدا ہونے والی لادینیت اور انگریزی استعماریت کی مذمت دونوں ملتی ہیں۔ وہ مغربی و مشرقی تہذیبی امتیازات کو مذہبی بنیادوں پر دیکھتے ہوئے مشرقی اقدار اور طرزِ احساس کو ابھارتے ہیں۔ یہ سچ ہے وہ مغربی تہذیب کے سماجی پہلوؤں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اپنے سماج کی خرابیوں کو دور کرنے، عورتوں کی تعلیم و تربیت پر زور دینے اور علوم جدیدہ سے استفادہ کرنے کے لیے ترغیب دیتے ہیں لیکن اپنے ناولوں 'توبتہ النصوح'، 'ابن الوقت'، 'ایامیٰ' اور 'رویائے صادقہ' میں بالترتیب مقامیت پسند اور ہندوستانی ادب و ثقافت کا حامل کردار تشکیل دینے؛ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کے منفی اثرات سے باخبر

کرنے؛ مغربی تعلیم اور انگریزیوں سے میل ملاپ سے دور رہنے اور انگریزی تعلیم سے پھیلتی لادینیت و مذہب بیزاریت کی مذمت کرتے ہیں۔ یہ مذمت نذیر احمد کی 'ردِ استعماری جہات' کو سامنے لاتی ہیں۔

۱۔ توبتہ النصوح (۱۸۷۷ء):

یہ دہلی کے متوسط مسلم گھرانے کی کہانی ہے۔ جس کا تعلق طبقہ اشراف سے ہے۔ ناول کا مرکزی موضوع والدین پر تربیتِ اولاد کی ذمہ داری کے احساس کو اجاگر کرنا، مقامی ادب کو فحش اور تصاویر کو بے ہودہ قرار دینا ہے۔ ناول میں دو اہم کردار نصوح (باپ) اور کلیم (بیٹا) ہیں۔ نصوح گھر، اولاد اور کسی بھی ذمہ داری سے بے خبر زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ ہیضہ کی وبا میں بیمار ہو جاتا ہے۔ بیماری کی حالت میں سوئے عالمِ محشر میں خود کو محسوس کرتا ہے۔ خواب میں وہ اپنا نامہ اعمال، عالمِ حشر اور عالمِ برزخ کے مناظر دیکھ کر بیدار ہوتا ہے۔ اس کی یہ 'بیداری' معنی خیز ہے۔ اول، دینی معاملات، شریعی احکامات اور عبادات کی طرف رجوع کرنا۔ دوم، اپنے غیر ذمہ دارانہ کردار، گھریلو زندگی سے لاتعلقی اور اولاد سے بے خبری کو اپنا جرم سمجھنا۔ سوم، نو آبادیاتی جبر کے تحت اس 'بیداری' کی تعبیر بالکل واضح ہے۔ اب اسے خیال آتا ہے مسلم معاشرے کے اخلاق و کردار کو بگاڑنے میں مقامی ادب کا کردار کلیدی ہے۔ جن میں اخلاق باختہ موضوعات ہیں۔ یوں نصوح اولاد کی اصلاح، فحش ادب و کتب سے ان کو دور کرنے اور ان کے اخلاق و کردار کو بہتر بنانے کا بیڑہ اٹھاتا ہے۔ کامیابی اور عافیت مذہب میں تلاش کرتا ہے جبکہ مشرقی ادب اسے لغویات، عریانیت اور فحش موضوات پر مشتمل نظر آتا ہے۔

نصوح اپنے اہل و عیال کو دین اور شریعی احکامات کا پابند کرنا چاہتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے، اسے نئی عملداری میں ہی خیال کیوں آیا کہ دین سے دوری ہو رہی ہے، خدا کی مخالفت (ملحدیت) اور لادینیت پھیل رہی ہے۔ اس کا اصل سبب نو آبادیاتی صورت حال میں عیسائی مشنری اسکولوں کا قیام ہے، جہاں عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ ایسی کتب شامل نصاب ہوئیں جنھوں نے طالب علموں کو باور کرایا کہ ان کا طرزِ زندگی جانوروں سے بدتر ہے۔ کتاب کا نام نہیں معلوم لیکن یہ بات ناول میں بیان کی گئی۔ نصوح کے بیٹے علیم کو یہ کتاب پادری نے دی ہے۔ جس کے متعلق کلیم کے دوستوں کا خیال ہے کہ اس کے مطالعے سے 'کرشٹان' ہو جانا کچھ دور نہیں۔ نذیر احمد کو انگریزی تعلیم سے لادینیت کے پھیلنے کا خوف ضرور ہے، جو کہ سچ بھی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے وہ اولاد کو 'دین داری نمونہ' دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک گنجفہ، شطرنج، کنکوا، بیڑیں اور مرغ لایعنی مشاغل ہیں۔ وہ اپنے دو بیٹوں علیم اور سلیم کو اپنے مذہب پسند اصلاحی پروگرام کے لیے قائل کر لیتا ہے۔ لیکن بڑا بیٹا کلیم اس کی بات ماننے سے انکاری ہے۔

کلیم مسلم شرفا کا نمائندہ کردار ہے۔ وہ اپنی ثقافت، ادب اور مقامیت سے جڑا ہوا ہے۔ عمدہ شاعر ہے۔ گھر سے نکل جانے کے بعد شاعری بطور روزگار اختیار کرتا ہے۔ دوران گفتگو بر محل شعر کہتا ہے۔ نصوح کی 'اصلاحی و اخلاقی بیداری' سے کلیم بغاوت کرتا ہے۔ کلیم شاعری، تصاویر، کھیل تماشے، درباری ماحول اور مقامی فنون میں رغبت رکھتا ہے، اور ان سے دور نہیں ہوتا۔ وہ ہندوستانی تہذیب کا پروردہ ہے، اور اسی میں مطمئن ہے۔ جب کہ باپ نصوح مذہب کی آڑ میں اسے مقامی ادب و ثقافت سے دور کرنا چاہتا ہے۔ وہ اسے اپنے پاس اکثر بلاتا ہے، لیکن وہ باپ کی بات نہیں سنتا۔ بالآخر نصوح اپنے بیٹے کلیم کو دعوتی انداز میں خط لکھتا ہے:

> تم جیسے نوجوان آدمیوں کو مذہب کے بارے میں کبھی کبھی خدشات بھی واقع ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں۔ خدشے کا واقع ہونا دلیل جستجو اور جستجو کا انجام حصول جو بندہ یا بندہ۔ اگر تم میں سے کوئی ایسا خدشہ پیش کرنا چاہے تو میں اس کا جواب دینے کے لیے موجود ہوں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، مذہب کے اصول ایسے بچے اور یقینی اور

> بدیسی اصول ہیں کہ ان میں تردد اور انکار کا دخل ہو ہی نہیں سکتا۔ چونکہ ابتدائے شعور سے اب تک ہم لوگ غفلت اور سستی بے پروائی اور خداوند جل شانہ کی مخالفت اور عدول حکمی اور نافرمانی میں زندگی بسر کرتے رہے، گناہ اور خطاکاری کی عادتیں ہمارے دلوں میں رائج ہوگئی ہیں۔ البتہ میں جانتا اور مانتا ہوں کہ ایک مدت میں زنگ معصیت ہمارے سینوں سے دور ہو کر یہ آئینے ایمان کی جلا سے منور ہوں گے۔ لیکن بالفعل میرا مطلب اسی قدر تھا کہ ہر شخص مناسب حال اپنا اپنا فکر کر چلے۔ (۵)

نصوح کا لب و لہجہ شائستگی اور نرمی کا حامل ہے۔ اس کے باوجود کلیم خاطر میں نہیں لاتا۔ ماں اور بھائیوں کی بات نہیں مانتا، گھر سے جانے کو تیار ہے۔ ماں بھی اصرار کرتی ہے۔ نیک بنو، خرابی والے لچھن سے باز آؤ۔ لیکن وہ نیک اور بد کو مذہب سے الگ دیکھتا ہے۔ وہ والدین کو بارہ سال کی عمر تک اولاد کی تربیت کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔ اس کے بعد وہ اولاد کے معاملات میں والدین کی دخل اندازی کا معترض ہے۔ وہ خود کو شریف معزز خاندانوں کے بیٹوں کی طرح سمجھتا ہے۔ وہ اب والدین کی بات کیوں نہیں مانتا، اس کا سیاق قابل توجہ ہے۔ گھر میں نصوح کے مذہب پسند تصورِ اصلاح سے قبل کلیم کے کردار و افعال کو پسند کیا جاتا رہا۔ اس کی عادات و مشاغل سے باپ نصوح واقف تھا۔ کلیم شعر کہتا اور مشاعروں میں شریک ہوتا ہے۔ اچھی شطرنج کھیلتا ہے۔ گنجفہ، تاش اور چوسر میں بھی مہارت رکھتا ہے۔ کبوتر بازی اور پتنگ بازی میں حصہ لیتا ہے۔ غرض وہ اپنے مقامی اشرافی کلچر سے بھرپور جڑا ہوا ہے۔ وہ اپنی ماں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

> میرا کون سا فعل ہے جو تم کو اور ابا جان کو معلوم نہیں۔ کیا ابا جان نے میری غزلیں نہیں سنیں؟ میں ان کے ہاتھ سے صادر کیے ہوئے شعر دکھا سکتا ہوں۔ ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ شطرنج کا ایک بڑا مشکل نقشہ ابا جان نے کسی اخبار میں دیکھا تھا، اس کو میں نے حل کیا۔ کبوتر اڑاتے تم نہیں دیکھے یا پتنگوں کی لڑائی انھوں نے نہیں سنی؟ کبھی تم نے روکا یا انھوں نے ٹوکا؟ اب یہ نئی بات البتہ سننے میں آئی ہے کہ نماز پڑھو۔ مسجد میں معتکف بن کر بیٹھو۔ کھیلو مت۔ کسی یار آشنا سے ملو مت۔ بازار مت جاؤ۔ میلے تماشے میں شرکت مت کرو بھلا کوئی مجھ سے یہ باتیں ہونے والی ہیں۔ (۶)

نذیر احمد کا تصورِ اصلاح، تصورِ اخلاق اور تصورِ فحاشی نو آبادیاتی جبر کا شکار ہے۔ یہ تصورات استعماریت پسند فکر کے عین تابع ہیں۔ توبتہ النصوح میں باپ بیٹے کے متضاد کردار تخلیق کیے گئے ہیں، اس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اول نذیر احمد شعوری منصوبے کے تحت اصلاح کار ہیں۔ نو آبادیاتی منشا کے خلاف و متضاد کردار پیش کرتے ہوئے وہ یوں آگے بڑھتے ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ناول نگار کی منشا کے خلاف تخلیق کیا گیا کردار 'امر' ہو جاتا ہے۔ جیسے کلیم کا کردار اپنی پسند، ثقافت، تہذیب اور خیالات میں 'آزادی اور سیکولرازم' کا قائل نظر آتا ہے۔ وہ دہلی کے 'شریف کلچر' کا حامل ہے۔ نصوح کا مذہبی بنیادوں پر اولاد کو اپنی مقامیت سے دور کرنا ،استعماری کلامیوں کے زیر ہے۔ لیکن کلیم اپنے مزاج، ادب، مٹی، ثقافت اور مقامیت سے دور ہونے کو تیار نہیں۔ یہی کلیم کا 'ردِ استعماری رویہ' ہے۔ ناصر عباس نیر، نصوح اور کلیم کے کردار میں 'معنیِ واحد اور معنیِ اضافی کی کش مکش' دیکھتے ہیں۔ فاضل نقاد کی تعبیرات کے مطابق نصوح اور کلیم میں کش مکش کا محور یہ ہے کہ نصوح مذہب کو اور کلیم شاعری کو معنی کا سرچشمہ خیال کرتا

ہے۔ مذہب، واحد معنی میں خود کو پیش کیے جانے پر اصرار کرتا ہے، جب کہ شاعری معنی کی اضافیت میں اعتقاد رکھتی ہے۔ واحد معنی تسلیم، اطاعت، بندگی کا مطالبہ کرتا ہے، اور معنی اضافت، فرد کی آزادی کا تقاضا کرتی ہے۔ نصوح، کا تربیتِ خاندان کا منصوبہ 'سیاسی' ہے۔ کلیم اسے نئے نئے دستور اور قاعدے کہتا ہے۔ نصوح، خود کو کلیم پر بطور سربراہ خاندان 'مختار' سمجھتا ہے جبکہ کلیم اپنی 'آزادی' پر کوئی آنچ نہیں آنے دیتا۔ کلیم کی ساری مزاحمت اپنی آزادی کے تحفظ کی ہے۔ وہ اپنے باپ، خدا، مذہب کا منکر نہیں، ان سب کے اِس 'انتظامِ جدید' کے خلاف ہے۔ جسے بزورِ بازو نافذ کیا جارہا ہے۔(۷)

ناول کی فصل نہم میں دیکھتے ہیں کلیم باپ سے ناخوش ہو کر گھر سے نکل جاتا ہے۔ اور نصوح کلیم کے تکلف خانہ اور بے ہودہ کتاب خانے کو جلا دیتا ہے۔ اول الذکر 'عشرت خانہ' ہے جہاں کلیم نے اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ موخر الذکر 'خلوت خانہ' کے نام سے قائم ہے جہاں کلیم کی کتب ہیں۔ نصوح باری باری دونوں کو جلا دیتا ہے۔ نصوح کے مطابق یہ کتب جھوٹے قصے، بے ہودہ باتیں، فحش مطلب، لُچے مضامین، اخلاق سے بعید، اور حیا سے دور ہیں۔ کلیم گھر سے نکل کر دوست مرزا ظاہر بیگ کے پاس جاتا ہے۔ قرابت دار فطرت کے پاس بھی رہتا ہے۔ قید ہو جاتا ہے اور باپ کی سفارش پر رہائی پاتا ہے۔ ایک بار پھر باپ اسے گھر آنے پر اصرار کرتا ہے، جس کے جواب میں کلیم دوٹوک کہتا ہے:

> آپ چند روز سے دین داری اور خدا پرستی کے نام پر نئے نئے دستور، نئے نئے طریقے، نئے نئے قاعدے گھر میں جاری کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ میں شروع سے اِس انتظام کا مخالف ہوں۔ اور میرا گریز میری رائے کو ظاہر کرنے کے لیے کافی تھا۔ میں ایک بار کے برابر اپنے طرزِ زندگی نہیں بدل سکتا۔۔۔ اس جبری انتظام کے وہی لوگ پابند ہو سکتے ہیں جن کو اس کی واجبیت تسلیم ہو یا جو اس کی مخالفت پر قدرت نہ رکھتے ہیں۔ اور چوں کہ میں دونوں شقوں سے خارج ہوں۔ میں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ گھر سے الگ ہو جاوں۔(۸)

وہ گھر کے جانے کے لیے یہ وعدہ لیتا ہے کہ نصوح کو اُس کے نیک و بد سے بحث اور برے بھلے سے تعرض نہیں ہو گا۔ اس کے باوجود کلیم گھر نہیں جاتا۔ دولت آباد جاتا ہے، فوج میں بھرتی ہو تا ہے۔ لڑائی میں زخمی ہو جاتا ہے۔ دہلی میں بہن نعیمہ کے گھر لایا جاتا ہے۔ وہی باپ کی موجودگی میں فوت ہو گیا۔ بقول نذیر احمد 'اگر کلیم بچ جاتا تو وہ نیکی اور دین داری میں اپنے سب بہن بھائیوں پر سبقت لے جاتا ہے'۔ حیران کن بات ہے کہ بیٹے کی نافرمانی اور بغاوت کے باوجود باپ نصوح اُسے کسی صورت تنہا نہیں ہونے دیتا اور ہر ممکن کوشاں رہتا کہ وہ راہ راست پر آئے۔

انیس ناگی، کلیم کو نذیر احمد کے 'گمراہ' افراد میں شمار کرتے ہیں۔ یہاں گمراہ سے مراد وہ کردار جو نذیر احمد سے فکری اختلاف رکھتے ہیں۔ ناگی کے نزدیک کلیم 'زندگی زندہ دلی کا نام ہے' کا تصور رکھتا ہے۔ بھائیوں کی نسبت زیادہ خود داریت اور خود ارادیت کا حامل ہے۔ جبر کے بجائے اشارہ و کنایہ کو تعلیم کا مؤثر ذریعہ سمجھتا ہے۔ وہ اپنا راستہ خود قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس قدر بد چلن اور گمراہ نہ تھا کہ جس کو مذہب کی طرف لانا نصوح کو محسوس ہوا۔ نصوح کی جبریت، اولاد کو مذہبی بنانے زیادہ اپنے گناہوں کی تلافی کے احساس کی بدولت ہے۔ اور وہ اپنے اس جبری مشن میں کامیاب نہ ہوا۔ کلیم کا گھر سے نکلنا باپ کے جبری رویے کا منفی انجام تھا۔ یاد رہے 'دین میں جبر نہیں۔'(۹) کلیم کا یہ کردار انفرادیت پسندی، رائے کی آزادی، گھر کی ریاست کے سربراہ کے اختیارات کے آگے سر

جھکانے سے انکار 'جدید' ہے، مگر اس کا سرچشمہ دہلی کے معزز مسل گھرانوں کا 'قبل جدید' رہن سین ہے۔ اس کی کل کائنات عشرت منزل اور خلوت خانہ تھی، اور وہاں 'جدید، مغربی دنیا' کی کوئی علامت موجود نہیں۔ وہ دہلی کالج یا کسی انگریزی مدرسے کا پڑھا ہوا نہیں تھا، نہ اس کے دوستوں میں کوئی انگریز شامل تھا۔ اسی طرح جب وہ اپنی قسمت آزمانے نکلتا ہے تو انگریز سرکار ست رجوع نہیں کرتا، دولت آباد کی دیسی ریاست میں حاضری دیتا ہے۔ کلاسیکی شعرا کی طرح نوکری کا خواہاں ہے۔ اس کے مزاج و عمل میں جتنی بغاوت یا جدیدیت ہے، وہ کلاسیکی شاعری اور کلاسیکی فنونِ لطیفہ سے وابستگی کی وجہ سے ہے۔ ناول کس طور استعماری آفاقی تہذیب کا نمائندہ ہونے کے باوجود استعمار مخالف جدوجہد میں شریک ہے، اس کی مثال کلیم ہے۔ (۱۰) کلیم کا اپنی مقامیت سے جڑا رہنا، اردو فارسی ادب کا مطالعہ رکھنا، مقامی کھیلوں میں حصہ لینا، دولت آباد میں مقامی فوج میں شریک ہونا، کسی خارجی جبر کے بجائے اپنی ذاتی منشا اور آزادی پسند زندگی جینا؛ ناول 'توبتہ النصوح' کے سیاق 'ردِ استعماری رویہ' ہے۔ جب وہ اپنے باپ سے کہتا ہے؛ "اس جبری انتظام کے وہی لوگ پابند ہو سکتے ہیں جن کو اس کی واجبیت تسلیم ہو یا جو اس کی مخالفت پر قدرت نہ رکھتے ہوں"، تو بنیادی طور پر وہ ہندوستان پر استعماری جبری نظام کی مخالفت کا اعلان کرتا ہے۔

۲۔　ابن الوقت (۱۸۸۸ء):

ابن الوقت، نذیر احمد کا سب سے اہم ناول شمار ہوتا ہے۔ انیسویں صدی کے جس ناول کو سب سے زیادہ مقبولیت ملی وہ 'ابن الوقت' ہے۔ یہ ناول نذیر احمد کے فکری و فنی سفر میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ناول کا موضوع اس دور کے استعماری نظام میں وقوع پذیر سیاسی و انتظامی، سماجی و معاشرتی اور تہذیبی و ثقافتی تبدیلیوں کے باعث پروان چڑھنے والے نئے رشتوں کی نوعیت کو تجزیانہ ہے۔ اس میں جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کے پہلے اور بعد کے تیس برس کے حالات شامل ہیں۔ غدر کے اسباب، واقعات اور اثرات؛ استعماری نظام کا قیام اور اس کے مسلمانوں پر اثرات؛ مغربی استعماری اور مقامی ہندوستانی سماجی نظام میں کش مکش؛ مقامیوں میں بڑھتی استعماری نقل یعنی انگریزیت پسندی اور اس کے برے نتائج؛ استعمار کار اور استعمار زدہ میں حاکم و محکوم کے رشتے کی نوعیت، مذہب اور سائنس کی بحث اور مغربی نقل سے گریز ناول "ابن الوقت" کے موضوعات میں شامل ہیں۔

یہ فکری و کرداری ناول ہے۔ جس کی اساس 'مغرب پرستی' کی مزاحمت یا اس کا رد ہے۔ ناول میں ابن الوقت، نوبل، شارپ اور حجتہ الاسلام اہم کردار ہیں۔ نذیر احمد چوں کہ ملکی، قومی اور سماجی اصلاح کا مقصد رکھتے ہیں، 'ابن الوقت' کا کردار اس مقصد کے حصول کے لیے 'تبدیلی وضع' کو شعار بناتا ہے، لیکن وہ مقصد حاصل نہیں کر پاتا۔ انگریزی وضع اختیار کرنے پر اُسے استعماری حکمرانوں اور مقامی لوگوں کی جانب سے جو ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ اسے انگریزیت سے نفرت دلاتا ہے۔ اصل میں ناول نگار، مصنوعی مغربی نقل و تقلید کی مزاحمت کرتا ہے۔ ابن الوقت کا آخر میں انگریزی وضع چھوڑ کر اپنی 'اصل' کی طرف لوٹنا اور اس کے گھر والوں کا خوش ہونا اس ناول کی 'ردِ استعماری جہت' ہے۔ ناول کا کوئی اہم کردار 'ردِ استعماری فکر' سے کُلی طور نہیں جڑا ہوا۔ نوبل ہندوستانی مسلمانوں کی ریفارم کے لیے ابن الوقت کو سامنے لاتا ہے۔ ابن الوقت مغربی بود و باش اختیار کرتا ہے۔ اپنے ہم وطنوں کی اصلاح کے لیے 'تبدیلی وضع' کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ شارپ ہندوستانیوں کی تبدیلی وضع کو ناپسند کرتا ہے۔ حجتہ الاسلام انگریزیت اور انگریزی حکومت کو ہندوستان کے لیے خوش قسمتی سمجھتا ہے۔ تاہم ناول کا موضوع اور ناول نگار کا نقطہ نظر 'ردِ استعماری' ہے۔ بقول نذیر احمد:

> انگریزی عمل داری نے ہماری دولت، ثروت، رسم و رواج، لباس، وضع، طور طریقہ، تجارت، مذہب، علم، ہنر، عزت، شرافت سب چیزوں پر تو پانی پھیرا ہی تھا ایک زبان تھی اب اس کا بھی یہ حال ہے کہ اُدھر انگریزوں نے عجز واقفیت کی وجہ سے اکھڑی اکھڑی غلط، نامربوط اردو بولنی شروع کی، اِدھر یہ عیب کہ ہمارے ہی بھائی بند لگے اس کی تقلید کرنے۔(۱۱)

ناول نگار کا نقطہ نظر واضح ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ انگریزی عمل داری سے قبل ہندوستان خوش حال تھا۔ کمپنی بہادر اور برطانوی استعماریت نے مقامی تہذیب، کلچر، تمدن، تجارت اور علم و ہنر کو سرے سے ختم کر دیا ہے۔ اس امر کے ساتھ ناول نگار کو اس بات کا افسوس ہے کہ مقامی باشندے بھی مغربی نقل و تقلید میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ وہ ابتدا میں ہی اس بات کا اظہار کر دیتے ہیں، جو آگے چل کر ناول کا موضوع بنتا ہے۔ لکھتے ہیں: ''انگریزی زبان، انگریزی وضع کا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا اس غرض سے کہ انگریزوں ساتھ لگاوٹ ہو مگر دیکھتے تو لگاوٹ کے عوض رکاوٹ ہے اور اختلاط کی جگہ نفرت ہے۔ حاکم و محکوم میں کشیدگی بڑھتی چلی جاتی ہے، دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر۔''(۱۲) دریا میں مگرمچھ طاقت کی علامت ہے۔ وہاں گزارا اسی صورت ممکن ہے کہ اس سے دوستی رکھتی جائے۔ انگریز پسند ہندوستانیوں کا موقف یہی رہا کہ انگریزوں سے دوستی میں ہماری بقا ہے۔ طاقت کے سامنے سرنگوں ہونا الگ اور اس سے مرعوب ہونا الگ بات ہے۔ وہ لگاوٹ اسی بنیاد پہ چاہتے تھے کہ طاقت کے آگے نہ صرف سرنگوں ہوا جائے بلکہ مرعوب ہو کر اور اسے 'بحکمِ الٰہی' سمجھا جائے۔ نذیر احمد انگریزی حکومت کی خیر خواہی اور علوم جدیدہ کی تحصیل، وقت کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ مگر مغربی تہذیب کی اندھی تقلید، انگریزی زبان بولنا، انگریزی لباس پہننا اور مغربی تعلیم کے زیر اثر اسلامی شعار و مذہبی عقائد سے روگردانی کرنے کو گمراہی قرار دیتے ہیں۔ ناول نگار کو ابن الوقت کا کردار پسند نہیں ہے، اس لیے کہ وہ قوم کی اصلاح اور اس کی ترقی کے لیے انگریزی وضع اختیار کرتا اور اسلامی شریعت سے انحراف بھی کرتا ہے نہ کہ اپنی مقامیت اور مذہب سے جڑے رہتے علومِ جدیدہ سے استفادہ کرتے ہوئے قومی ترقی کی 'اصل' کی طرف بڑھتا ہے۔

'ابن الوقت' ہندوستان کے مسلم متوسط طبقے کا پڑھا لکھا نوجوان ہے۔ خوش حال اور شریف خاندان کا آدمی ہے۔ مشرقی و مغربی علوم دونوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔ پختہ مزاج رکھتا ہے۔ اس کی رائے بقول ناول نگار: ''سلطنت ایک ضروری اور لازمی نتیجہ ہے قوم کی برتری کا''۔(۱۳) سو اسی رائے کی بنیاد پر وہ ہر انگریز کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ انگریز پسندی اسے بچپن سے ہی تھی۔ ۵۷ء کے غدر میں ایک انگریز نوبل کی بلوائیوں سے جان بچانے اور تین سوا تین مہینے گھر پناہ دینے میں ابن الوقت کا نوبل سے جو تعلق پیدا ہوا یہ اس کا نتیجہ تھا کہ ابن الوقت مرعوبیت میں پختہ ہو گیا۔ وہ یہ جان چکا تھا ایک غدر نہیں ایسے ہزار غدر ہوں انگریزوں کی عمل داری جانے والی نہیں، غدر کے بعد جو تسلط بیٹھے گا وہ زیادہ مستحکم اور پائیدار ہو گا۔ غدر کے بعد جو صورت حال پیدا ہوئی۔ اس میں مسلمانوں کا نقصان زیادہ ہوا۔ یہاں نوبل کا بیان قابل توجہ ہے:

> انگریزی عمل داری میں میں بڑا خطرناک نقص ہے کہ حاکم و محکوم میں ارتباط نہیں۔ یہ اجنبیت اگر سبب غدر نہیں تو غدر کی ترقی کا موجب تو ضرور ہوئی۔ اور جب تک ہندوستان کے لوگ انگریزوں کے ساتھ مانوس نہیں ہوں گے، سلطنت ایک منٹ کے لئے بھی قابل اطمینان نہیں۔ مگر اس میں دونوں کا قصور ہے۔ انگریز بہ غرور حکومت ہندوستانیوں

> کی طرف ملتفت نہیں ہوتے اور ہندوستانی بوجہ نادانی انگریزوں سے پرہیز اور گریز کرتے ہیں۔ ایسے دو آدمیوں میں کیوں کر اتحاد ہو سکتا ہے جن کی نہ زبان ایک، نہ مذہب ایک، نہ رسم و عادات ایک، نہ مزاج ایک۔ پھر اس اجنبیت کے نقصان بھی دونوں کی طرف عائد ہیں۔ ہندوستانیوں کا تو صریح نقصان یہ ہے کہ خدا نے انگریزوں کو سلطنت کے ذریعے سے عزت اور دولت کا منبع بنا دیا ہے اور اب اس غدر نے بخوبی ثابت کر دیا کہ جس سلطنت کو انگریزوں نے بزورِ شمشیر حاصل کیا ہے، اس کو بزورِ شمشیر قائم رکھنے پر قادر بھی ہیں۔ ہندوستانی جس قدر انگریزوں سے بھاگتے ہیں اس قدر عزت سے محروم اور دولت سے بے نصیب ہیں۔ اس کے مقابلے میں انگریز کب نقصان سے محفوظ ہیں۔ ضعف سلطنت سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہو گا۔ (۱۴)

نوبل کا یہ بیان دو طرفہ پہلوؤں کو لیے ہوئے ہے۔ اول انگریز ہندوستانیوں سے دوری اختیار نہ کریں۔ دوم ہندوستانی بھی حاکموں سے گریز نہ کریں۔ اسے نوبل ہندوستانیوں کے لیے مفید خیال کرتا ہے۔ تاہم اس میں استعماری غرض شامل ہے۔ وہ دونوں میں ارتباط دیکھنا چاہتا ہے۔ یعنی دونوں ایک دوسرے کی طرف جھکیں۔ اس مقصد کے لیے وہ ابن الوقت کو ریفارمر (مصلحِ قوم) بناتا ہے۔ ریفارم (اصلاح) سے بڑھ کوئی نیکی کا کام نہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیسی ریفارم کی جائیں۔ نوبل کے مطابق: ہندوستانیوں کا انگریزوں سے الگ تھلگ ہونے سے بہتر ان سے ٹوٹ کر ملیں۔ انگریزی زبان کو رواج دیا جائے۔ اس میں دو اغراض ہیں۔ اول علوم جدیدہ کا پھیلاؤ، دوم انگریزی خیالات کی ترسیل۔ نیز انگریز مسلم اتحاد۔ یہاں تک نہیں نوبل اس سے آگے ریفارمز کا خلاصہ بھی بتاتے ہیں:

> جہاں تک ممکن ہو ہندوستانیوں کو انگریز بنایا جائے۔ خوراک میں، پوشاک میں، زبان میں، عادات میں، طرزِ تمدن میں، خیالات میں، ہر چیز میں۔ (۱۵)

یہ استعماری منشا ہے۔ نوبل کے مشورے اور تائید سے ابن الوقت نے اپنی وضع تبدیل کر لی۔ ابن الوقت نے رہائش، زبان (انگریزی طرز میں اردو)، لباس، اور آدابِ نشست و برخاست کو بدلا۔ عوام سے فاصلہ اختیار کیا۔ شریعی احکام جن کا پابند تھا، ان میں نہ صرف سستی ہوئی بلکہ انحراف تک آ گیا۔ اس تبدیلی کا مقصد تو اصلاح قوم تھا، لیکن اس کا اثر الٹا پڑتا۔ ایک خود ابن الوقت پر، دوسرا مسلم سوسائٹی پر۔ ابن الوقت پر پڑنے والے اثرات قابل توجہ ہیں۔ شخصیت پر اثر یہ ہوا کہ اداس رہنے لگا، بے چینی نے گھیر لیا۔ ہندوستانی کھانوں کے لیے ترستا۔ مزید براں اسے افرادِ خانہ سے الگ رہنا پڑا، عام آبادی سے دوری اختیار کرنا پڑی، انگریزی وضع کے ساتھ نماز روزہ کی پابندی نہ ہو سکی، انگریزی لباس پہننا پڑا، انگریزی زبان بولنا پڑی اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ اپنی ٹھاٹھ باٹھ قائم رکھنے کے لیے دن بدن وہ قرضوں کے بوجھ تلے دبتا گیا۔ نوبل کے بعد نئے صاحب کلکٹر 'شارپ' نے ابن الوقت کی وضع تبدیلی کو ناپسند کیا۔ اس لیے کہ کسی محکوم کا حاکم کی وضع اختیار کرنے مطلن حاکم کی برابری کے سوا کچھ نہیں۔ مسلم سوسائٹی پر ابن الوقت کی 'وضع تبدیلی' کے اثرات بھی ابن الوقت کی سوچ کے برعکس ہوئے۔ بقول ناول نگار: ''ابن الوقت نے کچھ یہ تھوڑی غلطی نہیں کی کہ مذہب کو محکوم عقل بنانا چاہا''۔ (۱۶) اس سے مسلمان اس سے متنفر ہو گئے۔ ابن الوقت نہ ریفارمر رہا نہ مجدد۔ مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندوستان میں تھے، سب کے علما نے ابن الوقت پر کفر کے فتوے جاری کر دیئے۔ اسے 'مجموعہ کفار' قرار دیا۔ لوگ اسے 'کرسٹان' کہہ کر مخاطب ہوتے۔ اس کے ساتھ کھانے پینے سے گریز کرتے۔ گویا ریفارم کا اصل مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ ابن

الوقت نے جو حاکم و محکوم میں اجنبیت کو ختم کرنے اور انگریزی حکومت سے مستفید ہونے کے لیے جو وضع تبدیل کی تھی، اس نے مسلمانوں میں مزید انگریزی وضع سے نفرت کو ہوا دی۔

نذیر احمد نے ابن الوقت کی تبدیلی وضع کو اُس کی غلطی قرار دیا۔ خود تو برباد ہوا ہی، ساتھ اُس کی دیکھا دیکھی وہ مسلمان نوجوان جنھوں نے انگریزی پڑھی، تباہی کے لچھن سیکھتے چلے گئے۔(۱۷) ناول نگار ابن الوقت کے اس پروگرام کو ناپسند قرار دیتے ہیں۔ نوبل کی منشا کے سفاک نتائج سامنے لاتے ہیں۔ انیس ناگی لکھتے ہیں:

> ناول میں جوں جوں ابن الوقت مشرقی وضع کو چھوڑ کر مغربی اسلوب زندگی کو اپنانے لگتا ہے نذیر احمد کی اس سے کہ بڑھتی جاتی ہے نتیجہ ابن الوقت کی شخصیت دلچسپ سے دلچسپ پیرایہ اختیار کرتی ہے۔ نذیر احمد ابن الوقت سے اس لئے بھی نالاں ہیں کہ اس نے اپنی وضع قطع کے ساتھ اپنے مذہبی نظریات میں بھی حک و اصلاح شروع کر دی تھی ۔ ابن الوقت کے نظریات اگرچہ ایک روشن خیال کے نظریات سے زیادہ مختلف نہیں لیکن نذیر احمد مذہب کے معاملے میں اس قدر حساس اور زود رنج تھے کہ مذہب سے سرمو تغیر ان کے نزدیک لادینی اور الحاد کی نشانی تھی۔(۱۸)

اس دور میں انگریزی زبان، لباس، وضع قطع اور بود و باش کی ہندوستانیوں میں نقل و تقلید اس حد تک بڑھ گئی کہ ایک طرف اپنی مقامی ثقافت، زبان، طرزِ احساس اور مشرقیت سے دوری اختیار کی تو دوسری جانب مذہب سے بیزاریت کو ہوا ملی۔ انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ اس کا شکار ہو چکا تھا۔ یاد رہے انگریزی حکومت سے وفاداری و خیر خواہی الگ جبکہ انگریزی وضع قطع و بود و باش اختیار کرنا الگ معاملہ ہے۔ نذیر احمد اول الذکر کے حق میں جبکہ موخر الذکر کے مخالف ہیں۔ گویا نذیر احمد علوم جدیدہ کی تعلیم اور برطانوی استعماریت کی سیاسی اطاعت شعاری کے قائل جبکہ مغربی تہذیب و تمدن اور انگریزی تعلیم کے مذہب مخالف اثرات کے ناقد ہیں۔ انھی وجوہات کی بنیاد پر ابن الوقت بقول انیس ناگی، نذیر احمد کا معتوب اور نامحدود کردار ہے۔ نذیر احمد سارے فساد کی جڑ 'انگریزی وضع' کو قرار دیتے ہیں۔

انگریز افسر شارپ ناول کا اہم کردار ہے۔ وہ خوف میں مبتلا ہے، اگر ہندوستانی انگریزی لباس، زبان یا وضع کی نقل کریں تو اس سے حکومت کو ضعف پہنچ سکتا ہے اور کمزور ہو سکتی ہے۔ نقل کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ وہ ہماری برابری کا دعوی کر رہے ہیں۔ شارپ ہندوستانیوں سے متعلق کیا خیالات رکھتا ہے، ملاحظہ ہوں:

> صرف ٹوٹی پھوٹی انگریزی پڑھ لینے سے ہم بھی یورپینز کی طرح کے آدمی ہیں اور ہمارے ساتھ بھی یورپینز کی طرح کی مدارات ہونی چاہیے۔ سو سرے سے یہ یورپینز کی طرح کے آدمی ہی نہیں۔ یورپینز کی طرح ان میں نیشنلٹی نہیں، پبلک یورپین نہیں، آزادی، روشن ضمیری نہیں، جفاکشی نہیں، استقلال نہیں، جرات نہیں، سچائی نہیں، تلاش نہیں، یک ولی اتفاق نہیں۔(۱۹)

شارپ نے ابن الوقت کے نام چٹھی لکھی، جس میں ابن الوقت سے کہا، اگر آپ اپنے بھائی حجتہ الاسلام جیسی وضع اختیار کریں، جو آپ کی قومی وضع ہے، جس میں آپ نے ساری زندگی بسر کی ہے، تو آپ اور مجھ میں ایسی دوستی قائم ہو گی جسے میں ساری

زندگی نبھا سکوں گا۔ نوبل اور حجتہ کے اصرار پر ابن الوقت نے قومی وضع کو اختیار کیا۔ جسے دیکھ کر اس کے کنبے کے لوگ، رشتہ دار اور پھوپھی بے حد خوش ہوئیں۔

نوبل اور شارپ دونوں کا طریقہ کار مختلف ہے مگر دونوں کی فکر استعماری ہے۔ اول الذکر حکومت اور عوام میں ارتباط اور ہندوستانیوں کی انگریزی وضع اختیار کرنے میں استعماری استحکام کو مضبوط خیال کرتا ہے جبکہ موخر الذکر حاکم و محکوم میں فاصلے کو استعماری حکومت کی طاقت سمجھتا ہے۔

حجتہ الاسلام انگریزی حکومت کو رحمت الٰہی کہتا ہے۔ انگریزی عمل داری کو دنیا میں بہشت تک کہہ دیتا ہے۔ ہندوستانیوں کو ہر حوالے سے گھٹیا اور گرا ہوا خیال کرتا ہے۔ وہ ریفارم میں ریفارمر کا اصل مدعا 'نوکری کا حصول' سمجھتا ہے۔ ابن الوقت کی دو غلطیاں بتاتا ہے۔ اول سرکاری نوکری سے مسلمانوں کی خوشحالی تصور کر لینا، دوم مسلمانوں اور انگریزوں میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے جو انگریزی وضع اختیار کی، یہ اصل طریقہ نہیں۔ حجتہ کہتا؛ پہلے قوم کے خیالات کی اصلاح کی جائے، دوم وسائل سے استفادہ کی اہلیت پیدا کی جائے۔ اس کے نزدیک اصل ریفارم کیا ہے، ملاحظہ ہو:

> مسلمانوں کی ریفارم کو تو اس وقت ریفارم کہا جائے گا کہ مسلمان مسلمان رہیں۔ یعنی باپ دادا کے مذہب کے، وضع کے پابند رہیں۔ دور سے الگ پہچان پڑیں کہ مسلمان ہیں اور پھر ان کے دلوں میں زمانہ کے مطابق ترقی کی گدگدی کی پیدا کی جائے۔(۲۰)

حجتہ الاسلام کا یہ بیان، ناول نگار کا اصل مدعا ہے۔ پورے ناول میں کہیں استعماری حکومت کی مزاحمت یا اس سے انحراف کا جذبہ نہیں ملتا۔ قاری کو کسی کردار سے ہم دردی یا انسیت پیدا نہیں ہوتی۔ ناول نگار انگریزی حکومت کی برکتوں اور ان کے زیر انتظام ہندوستان کی 'خیر' تصور کرتا ہے۔ ناول میں سیاسی ردِ استعماریت کی کوئی شکل نہیں سامنے آتی۔ تاہم ناول اپنے مکمل سیاق و سباق میں 'تہذیبی و ثقافتی استعماریت'، 'تعلیمی استعماریت' اور 'مذہبی استعماریت' کے خلاف اپنا واضح موقف لیے ہوئے ہے۔ گویا اس ناول میں تہذیبی، تعلیمی اور مذہبی ردِ استعماریت کی جہات پائی جاتی ہیں۔

۳۔　ایامی (۱۸۹۱ء):

نذیر احمد کے تمام ناول سماجی اصلاحی کو محیط ہیں۔ ایامی میں انھوں نے بنیادی موضوع 'بیوگی کے مسائل' اور 'بیواؤں کے عقدِ ثانی کی ضرورت واہمیت' کو اختیار کیا ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں مولوی کے کردار، ان کی حیثیت اور مولوی کلچر میں پائی جانے والی برائیوں اور مسائل کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ ہندوؤں میں رسم تھی، جس میں شوہر کی میت کو جلایا جاتا، ساتھ اس کی بیوی کو بھی زندہ جلا دیا جاتا، اسے 'رسمِ ستی' کہتے۔ ستی سے مراد وفادار عورت کے ہیں۔ ہندوستان میں ہندو مسلم صدیوں اکٹھے رہے، مسلمان ہندووانہ اثرات سے بچ نہ سکے۔ مسلم معاشرے میں شوہر کی وفات کے بعد بیوہ کا عقدِ ثانی معیوب سمجھا جانے لگا، حالاں کہ اسلام شوہر کی وفات کے بعد بیوہ عورت کو عدت کے بعد عقدِ ثانی کا حق دیتا ہے۔ نذیر احمد بیوگی کے مسائل اور عقدِ ثانی کی ضرورت واہمیت اس ناول میں واضح کرتے ہیں۔ یہی اس ناول کا بنیادی موضوع ہے۔ اس موضوع کی پیش کش میں ذیلی موضوع 'جدت پسندی اور قدامت پسندی میں کش مکش' در آیا ہے۔

یہ کرداری ناول ہے۔ آزادی بیگم اس کا مرکزی کردار ہے۔ اس کے والد نام خواجہ آزاد اور والدہ ہادی بیگم ہیں۔ ناول میں والدین کے متضاد نظریات کے اولاد پر منفی اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ آزادی بیگم کا والد جدت پسند اور روشن خیال ہے جبکہ والدہ

قدامت پسند اور مشرقی طرزِ احساس کی حامل ہے۔ ان دونوں میں باہم کشیدگی، آزادی بیگم میں کش مکش کو جنم دیتی ہے۔ والد انگریزی تہذیب، تعلیم اور مغربی طرز کو پسند کرتا ہے جبکہ والدہ کا تعلق ایک مولوی خاندان سے ہے۔ آزادی بیگم پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہے۔ ماں کی منشا کے مطابق مولوی مستحب سے نکاح ہو جاتا ہے۔ وہ شوہر کو اپنے مطابق ڈھال لیتی ہے۔ بدقسمتی سے شوہر کی وفات ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ بیوگی کی مشکلات سے دوچار ہوتی ہے۔ ناول کی کہانی اصل یہاں سے شروع ہوتی۔ یہ ایک عمومی قصہ بن کر رہ جاتا اگر نذیر احمد اس میں مغرب کی ثقافتی استعماریت کے اثرات اور اس دور کی تہذیبی آویزش کو موضوع نہ بناتے۔ ہمارے پیش نظر مغربی و مشرقی تہذیبی آویزش اور قدامت و جدت میں کش مکش کو مد نظر رکھتے ہوئے، ناول میں موجود 'ردِ استعماری جہت' کو سامنے لانا ہے۔

ناول میں ہندوستانی متوسط طبقہ اشراف کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ اس میں تین کردار خواجہ آزاد، ہادی بیگم اور ان دونوں کی بیٹی آزادی بیگم اہم ہیں۔ خواجہ آزاد اوسط درجے کیا انگریزی تعلیم یافتہ ہے۔ ہندوستانیوں کی اداؤں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ انگریزی عمل داری میں امن، انصاف، سکون، آرام اور رعایا پروری کو دیکھتا ہے۔ نوآبادیاتی اداروں کو ہندوستان کی ترقی سمجھتا ہے۔ وہ انگریزی تعلیم کو ضروری خیال کرتا ہے۔ انگریز مسلم اتحاد کے لیے قرآنی دلائل پیش کرتا ہے۔ خواجہ آزاد کی بیوی ہادی بیگم مسلم مذہبی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ جن میں اکثر مرد مولوی ہیں۔ وہ مشرقیت پسند عورت ہے۔ کٹر مذہبی خیالات رکھتی ہیں۔ ان کے نزدیک معیار 'اسلامی شریعت' ہے۔ بیٹی آزادی بیگم کو مدرسہ کی تعلیم دلوانے کے حق میں ہے جبکہ باپ خواجہ آزاد بیٹی کو انگریزی سکول میں انگریزی تعلیم دلوانا چاہتا ہے۔ اس کش مکش کا اثر آزادی بیگم کی تربیت پر ہوتا ہے۔

آزادی دو مخالف قوتوں کے زیر پروان چڑھی۔ ماں کے پُرزور اصرار پر اُسے دینی و مشرقی تعلیم دلوانے کے لیے مدرسے بھیجا گیا۔ جبکہ اس کا مزاج باپ کی تربیت سے جدت پسند ٹھہرا۔ ناول میں جہاں آزادی بیگم اپنے شوہر کی وفات کے بعد اپنے جذبات کا کھُل کر اظہار کرتی ہے، اپنے احساسات کو بیان کرتی ہے، یہ اس کی جدت پسند تربیت ہے، جس نے اسے اظہار کی جرات دی ہے۔ خواجہ آزاد کے انگریزوں سے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دن آزادی سیڑھیوں سے گر جاتی ہے۔ جس کے علاج کے سلسلے میں آزادی کو مس میری کے پاس رہنا پڑتا ہے۔ اس کم و بیش تین ماہ کے عرصے میں آزادی کو مغربی معاشرت سے آگاہی ہوتی ہے۔ مس میری کی صحبت سے وہ ہندوستانی طرزِ معاشرت کو باپ کی طرح حقارت سے دیکھتی ہے، اس کا ذہن مغربیت پسند ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ کسی صورت بغاوت پر نہیں اترتی۔ خواجہ آزاد اور آزادی بیگم کا کردار 'ردِ استعماری' نہیں ہے۔ ذیل میں ہادی بیگم کی ردِ استعماری اپروچ کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ انگریزی مدرسے کے بارے ہادی بیگم کا خیال ہے، وہاں جا کر کوئی مسلمان، مسلمان نہیں رہتا۔ انگریزی مدرسے کے پادری عیسائی عقائد کی تبلیغ کرتے ہیں، جس سے بے دینی پھیل رہی ہے۔ آزادی کی تعلیم کے ضمن اس کا خیال ہے:

> رہی لڑکی اس کو نہ نوکری کرنی ہے نہ لوگوں میں لیاقت علمی جتانی، جیسا برا بھلا مجھ کو آتا ہے سہج سہج سکھا پڑھا لوں گی۔ (۲۱)

یہ بات سن کر خواجہ آزاد افسوس کا اظہار کرتا ہے، کہ آزادی کی تربیت پھر برباد ہو گئی، اپنے ہی جیسی اٹھاؤ گی۔ اس کے جواب میں ہادی بیگم کہتی ہے:

> کیوں مجھ میں کیا کیڑے پڑے ہیں۔ میں سینا نہیں جانتی، پکانا نہیں جانتی، لکھ پڑھ نہیں سکتی، گھر کا انتظام نہیں کر سکتی، بچے پالنے مجھ کو نہیں آتے، پھوہڑ ہوں، بد سلیقہ ہوں تم کیا قدر کرو گے اپنے کنبے کے لوگوں سے پوچھو، محلے والوں سے دریافت کرو، اتنی نہیں

> اس سے ڈیوڑھی دونی آمدنی کے گھر سے اپنے یہاں کے ساز و سامان کو ملاؤ، دو چار دن گھر میں بیٹھ کر دیکھو، کتنی عورتیں مجھ بے ہنر کو گھیرے رہتی ہیں؟ کوئی کپڑے قطع کرانے آتی ہے۔ کوئی صلاح لینے کوئی دوا پوچھنے کوئی خط لکھوانے پڑھوانے۔ کوئی کتاب سننے۔ کوئی مسئلہ دریافت کرنے، شادی بیاہ وغیرہ بڑی چھوٹی جتنی تقریبیں میرے بیاہ کے بعد تمہارے اور ہمارے کنبے اور اس محلے میں ہوئی ہیں کسی ایک تقریب کا نام لو جس میں انتظام کے لئے میں نہ بلائی گئی ہوں۔ کیوں تم نہیں جانتے اب بات کی بیچ پر آ کر مکر جاؤ تو خبر نہیں۔ خاک چاٹ کر کہتی ہوں اگر آزادی خدا اس کو جیتا رکھے ما جنتی ہوئی تو جس گھر جائے گی سسرال والے اس کے پاؤں دھو دھو کر پئیں تو سہی۔ (۲۲)

ہادی بیگم خالص مشرقی مزاج اور طور اطوار کی حامل سلیقہ مند عورت ہے لیکن خواجہ آزاد اسے پادری کے گھر لے جانا چاہتا ہے تا کہ وہاں کا انتظام، سلیقہ، صفائی، ہنر، کفایت شعاری، نیکی، محبت اور لیاقت دیکھیں۔ ہادی بیگم نفرت سے جواب دیتی، کہ وہاں جانا سرے سے میرے مزاج کے خلاف ہے، غیر قوم غیر مذہب میری کیا شامت آئی کہ انھیں جا کر ملوں۔ خواجہ آزاد اور ہادی بیگم کی ساری تکرار، تضاد اور بحث، انگریزوں کے مہذب اور ہندوستانیوں کے غیر مہذب ہونے کی ہے۔

> تکرار بس ایک بات کی تھی کہ خواجہ آزاد ہر ہر پہلو سے انگریزوں کی دانشمندی ان کے حسن انتظام کی، ان کے رسم و رواج کی، ان کے اخلاق کی، غرض ان کے سب باتوں کی یہاں تک کہ کھلم کھلا تو نہیں در پردہ اشارتاً کنایتاً ان کے مذہب کی بھی مدح کیا کرتا تھا۔ اور ہادی بیگم تھی مولوں کے ایک بڑے نامی خاندان کی بیٹی بھولے پن اور نرم دلی کی وجہ سے عورتوں کے عقائد مذہبی یوں بھی بڑے مضبوط ہوتے ہیں۔ (۲۳)

ہادی بیگم کا کردار اُن ہندوستانیوں کا نمائندہ ہے، جو انگریزی تعلیم، بود و باش اور طور اطوار کے خلاف ہے۔ یہاں تک کے اُن کے ساتھ کھانے پینے کو خلاف معاشرت و مذہب سمجھتا ہے۔ انگریزوں سے رسم و راہ تک کا قائل نہیں۔ ناول میں ہادی بیگم کے کردار کی پیش کش یوں نہیں کی گئی کہ قاری کے لیے اس کی مشرقیت پسندی اور انگریز دشمنی دلآویز ہو سکے۔ ناول نگار کی یہ شعوری کوشش ہے۔

ناول میں ایک اہم موضوع 'مولوی کلچر' ہے۔ نذیر احمد کے دور میں مولوی، استعمار مخالف کردار کے طور سامنے آیا۔ اس لیے نذیر احمد کی زد میں رہا، یہ پہلو ناول میں اگرچہ قاری محسوس کرتا ہے لیکن گہرائی میں دیکھا جائے تو نذیر احمد اس کلچر کی خامیوں کو اجاگر کر کے اس کی موجودہ دور کے مطابق اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ مولویوں کی کھانے پینے اور لوگوں میں عزت کے قائل ہیں۔ مولوی جو بات بات پہ کفر کے فتوے عائد کرتے ہیں، نذیر احمد کے نزدیک یہ منفی عمل ہے۔ مولوی انگریزی عمل داری کو پسند نہیں کرتے، اُن سے میل جول اور تعلق داری کو شریعت کے منافی سمجھتے ہیں، اس لیے مولوی طبقہ نذیر احمد کی تنقید کا شکار ہوا ہے۔ جیسے ناول نگار نے 'ابن الوقت' کے آغاز میں اظہار کیا کہ چوں کہ انگریزی حکومت قائم ہو چکی اور طاقت میں ہے، اب اُس کی مخالفت یا دوری مسلمانوں کے حق میں بہتر نہیں۔ 'ایامی' میں نذیر احمد، خواجہ آزاد کے زبانی انگریزی عمل داری کی تعریف و تحسین کے ساتھ وہی موقف دہراتا ہے جو 'ابن الوقت' میں پیش کیا تھا، دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر۔ مولوی انگریزی عمل داری میں انگریز مسلم اتحاد

کے مخالف، شریعی احکامات کے پابند، انگریزی تعلیم سے دور، مشرقی و مذہبی تعلیم کے داعی اور انگریزوں سے میل ملاپ کو کفر سمجھتے ہیں۔ مولوی کلچر کا یہ طرز نذیر احمد کی فکر کے مطابق نہیں۔ نذیر احمد کے نزدیک 'انگریزی عمل داری کی قدر نہ کرنا صریحی کفرانِ نعمتِ الٰہی ہے'۔(۲۴) دونوں میں مولویوں کے غدر سے پہلے اور بعد کے حالات پر بات بحث ہوتی ہے۔ نذیر کے ناقدین میں انیس ناگی نے اس امر کی طرف توجہ دی ہے۔

ناگی کی توضیحات کے مطابق نذیر احمد نے جو اعتراضات مولویوں پر کیے ہیں وہ قابل توجہ اور قومی ترقی کے لیے لائق اصلاح ہیں۔ اول مذہب کی اعلیٰ تصویر پیش کرنے کے بجائے مولوی فروعی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ دوم مذہب کو بطور پیشہ استعمال کیا جانے لگا ہے۔ سوم وہ تعصب اور تنگ نظری کا شکار ہیں، جس سے اجتماعی رجعت اور پسماندگی کی زمہ داری اُن پہ عائد ہوتی ہے۔ وہ مولویوں کی اِس اہمیت سے واقف ہیں کہ عوام کا مذہب سے تعلق اسی طبقے کے سبب ہے۔ انیس ناگی کے مطابق:

> نذیر احمد اس طبقے کے انحطاط میں ملی اخلاقی صحت کا زوال محسوس کر رہے تھے۔ وہ اس طبقے کے مخالف نہیں بلکہ اس کی بقا چاہتے تھے۔ ان کا یقین کامل تھا کہ اگر مولویوں کے طبقے کی کج روی دور ہو جائے تو اجتماعی اخلاقی صحت کو انہیں کے توسط سے بر قرار رکھا جاسکتا ہے۔ نذیر احمد کی اس طبقے پر تنقید مثبت پہلو رکھتی ہے۔(۲۵)

نذیر احمد نے مولوی طبقے کو وسعت قلبی اور وسیع المشربی سے محروم دیکھا ہے۔ اس لیے کہ وہ انگریزی دشمنی اور استعمار مخالف جذبات رکھتے ہیں۔ انگریز مسلم اتحاد میں رکاوٹ ہیں۔ مولوی ناصح کا کردار روایتی ہے، تاہم وہ اپنے بیٹے مولوی مستجاب کو حالاتِ حاضرہ سے آگاہ کرتا ہے۔ لیکن مولوی بطور پیشہ قائم رکھنے کے حق میں ہے۔ بعد ازاں مستجاب اپنی بیوی آزادی بیگم کے کہنے پر مولوی پیشہ چھوڑ کر مطبع میں ملازم ہو جاتا ہے۔ ناول میں ہادی بیگم اور مولوی طبقے کا کردار 'تہذیبی و مذہبی ردِ استعماری رجحان' رکھتا ہے۔ نذیر احمد ان دونوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں، مدعا فقط انگریزی حکومت سے خیر خواہی، انگریزوں سے میل ملاپ اور شریعی احکامات میں مذکورہ دونوں کے لیے گنجائش نکالنا ہے۔

۴۔　رویائے صادقہ (۱۸۹۴ء):

نذیر احمد کا آخری ناول 'رویائے صادقہ' (۱۸۹۴ء) ہے۔ بقول ناول نگار رویائے صادقہ کی 'غرض یہ ہے کہ مسلمان جہادی نہیں بلکہ اجتہادی مسلمان ہوں اور آپ بھی امن چین سے بیٹھیں اور دوسری کو بھی امن چین سے بیٹھے رہنے دیں۔' یہ خالص مذہبی مسائل، سوالات اور معاملات پر لکھا گیا ہے۔ ناول میں اس دور کی مذہبی الجھنوں، وحی اور معجزات، عاقبت، تفرقوں (سنی شیعہ اختلاف، مقلد و غیر مقلد،)، عقل اور مذہب کے مباحث، مختلف عقائد رکھنے والوں کے بارے میں ناول نگار کا موقف سامنے آیا ہے۔ تین کردار صادقہ، سید صادق اور بزرگ اہم ہیں۔ سید صادق علی گڑھ کالج سے تحصیل یافتہ نوجوان ہے۔ زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ علی گڑھ کے زیر اثر 'انگریزی وضع' رکھتا ہے۔ ناول میں سید صادق 'انگریزی وضع' کے اختیار کرنے کے بارے سید احمد خان کا موقف بیان کرتے ہیں:

> سید احمد خان کے دل میں انگریزی وضع کی ذرا وقعت نہیں اور وہ سب سے بڑھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ وضع ہماری ملکی حالت کے بھی مناسب نہیں۔ مگر ان کو اس وضع کے اختیار کرنے اور دوسروں کو اس کے اختیار کرنے کی ترغیب دینے پر مجبور کیا ہے دو چیزوں

نے۔ اول یہ کہ انگریز ٹھرے حکام وقت ان کی نسبت سے ان کی کل چیزوں میں وقار آگیا ہے۔ ازاں جملہ وضع میں بھی۔ تو مسلمان وہ وقار کیوں پیدا نہ کریں؟ دوسرے یہ کہ دنیاوی ترقی کے لئے جہاں تک ممکن ہو ہم کو چارو ناچار انگریزوں کے ساتھ ساز گاری رکھنی اور ان کی پیروی کرنی ضرور ہے۔ اور اس کی جہاں اور بہت سی تدبیریں ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ ہم ان کے ساتھ ان ہی کی زبان میں گفتگو کر سکیں، انہیں کے طور پر رہیں کہ اختلاط میں آسانی ہوتی ہے۔(۲۶)

سید صادق ذاتی 'انگریزی وضع' کے بارے بھی بتاتے ہیں:

میں بھی ذاتی آسائش کے اعتبار سے تو انگریزی وضع کو پسند کرتا نہیں مگر مصلحتوں کے خیال سے نہ صرف پسند کرتا ہوں، بلکہ جن کی نیت بخیر ہے ان کی تحسین کا مستحق جانتا ہوں۔(۲۷)

اس کے ساتھ وہ مذہب کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ ہر جگہ عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہے۔ جب بزرگ (ناول میں بزرگ کا کردار خود ڈپٹی نذیر احمد کا ہے) سے سید صادق نیچریوں کی غلطی دریافت کرتا ہے تو جواب میں کہتے ہیں: 'اصل غلطی تو یہ ہے کہ عقل سے اس کی بساط سے بہت زیادہ کام لینا چاہتے ہیں۔'(۲۸) دین و شریعت کے معاملات میں عقلی تکے کام نہیں آتے۔ مثلاً خدا کا وجود، جنت، دوزخ، فرشتے، وحی، معجزات، حساب کتاب، قبر اور محشر کو عقل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

نذیر احمد نے اس دور میں مغربی تعلیم سے پھیلنے والی لادینیت اور ملحدیت کو محسوس کرتے ہوئے، یہ ناول تحریر کیا۔ اس میں وہ دین کی ضرورت و اہمیت کو دلائل سے بیان کرتے ہیں۔ مذہب کو عقلی حوالوں سے سمجھنے سے پھیلنے والی گمراہیوں کو نشان زد کرتے ہوئے ان کے جوابات دیتے ہیں۔ دیگر ناولوں کی طرح رویائے صادقہ میں بھی وہ دین کی حقانیت کو ثابت کرتے ہیں۔ عقیل احمد صدیقی کی رائے میں نذیر احمد کا مقصد کولونیل ڈسکورس کی مزاحمت اور اپنے مذہبی اور اجتماعی ڈسکورس کی حفاظت تھا۔ وہ اپنے مضمون 'نذیر احمد اور کولونیل ڈسکورس کی مزاحمت' کے آخر میں نتیجہ خیز رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اس پوسٹ کولونیل عہد میں زیادہ ضرورت کولونیل ڈسکورس سے آزادی حاصل کرنے اور تاریخ کو DECOLONIZE کرنے کی ہے۔ اس لیے ابھی بھی مغربی ڈسکورس کی سامجراجیت ہمارے گلے کا طوق ہے۔ نذیر احمد نے بہت پہلے اس سمت میں ایک کمزور سی کوشش کی جو عہد اور اس کے جبر کو دیکھتے ہوئے ایک بڑا کارنامہ ہے۔(۲۹)

نذیر احمد ہندوستان میں انگریزی حکومت (جسے وہ ناولوں میں انگریزی عمل داری کہتے ہیں) کی نعمتوں اور برکتوں کا بار ہا ذکر کرتے ہیں۔ وہ یہ موقف رکھتے ہیں، چوں کہ انگریزی عمل داری ہندوستان کے لیے بہتر ہے، اس لیے انگریزی حکومت کی خیر خواہی اور انگریزوں سے میل ملاپ کی طرف مسلم خود قدم بڑھائیں۔ مقامی علم و ادب کے بجائے علوم جدیدہ کی طرف متوجہ ہوا جائے۔ ان کا یہ مدعا مغربی مرعوبیت کا شاخسانہ ہے۔ تاہم وہ مغربی تعلیم کے مضر اثرات سے بے بہرہ نہیں۔ وہ جانتے تھے کہ اس سے مذہب بیزاریت کے ساتھ دین اسلام کی حقانیت و استحکام خطرے میں، اس کو بھانپ کر وہ اپنے ناولوں میں مذہب کو عقل سے دور رکھتے ہوئے ایمانیات پر زور دیتے ہیں۔ علم و ہنر کی طرف مسلمانوں کو لے جانا چاہتے ہیں۔ مغربی وضع کے منفی اثرات سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ اسے اسلام

کے متضاد خیال کرتے ہیں۔ اس دور میں تہذیبی کش مکش کو موضوع بنا کر مقامیت سے جڑے رہنے اور جدید دنیا کے ساتھ قدم بڑھانے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ ان کی فکر کی 'ردِ استعماری جہات' ہیں۔

حوالہ و حواشی جات

۱۔ اُردو ناول میں استعمار زدگی، مرعوبیت، اصلاحی رجحات اور مزاحمتی تذبذب کو تفصیل سے دیکھنے کے لیے درج ذیل کتاب دیکھیے:
محمد نعیم، اُردو ناول اور استعماریت، لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء

۲۔ سرسید، مقالاتِ سرسید، حصہ دوازدھم (تقریری مقالات)، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۸۷

۳۔ نذیر احمد، لکچروں کا مجموعہ جلد دوم، آگرہ: مفید عام اسٹیم پریس، ۱۸۹۵ء

۴۔ اشفاق محمد خان، ڈاکٹر، نذیر احمد کے ناول، دہلی، مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۹ء، ص: ۶۴، ۶۵

۵۔ نذیر احمد، ڈپٹی، مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص: ۳۷۳

۶۔ نذیر احمد، ڈپٹی، مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، ص: ۳۶۶

۷۔ ناصر عباس نیر، اُردو ادب کی تشکیلِ جدید، کراچی: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۶ء، ص: ۱۰۳

۸۔ نذیر احمد، ڈپٹی، مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، ص: ۴۲۷

۹۔ انیس ناگی، نذیر احمد کی ناول نگاری، لاہور، مکتبہ جمالیات، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۴ تا ۱۸

۱۰۔ ناصر عباس نیر، اُردو ادب کی تشکیلِ جدید، ص: ۱۲۲ تا ۱۲۳

۱۱۔ نذیر احمد، ڈپٹی، مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، ص: ۵۵

۱۲۔ ایضاً، ص: ۵۲

۱۳۔ ایضاً، ص: ۵۳

۱۴۔ ایضاً، ص: ۹۹

۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۰۸

۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۶۲

۱۷۔ ایضاً، ص: ۱۷۴

۱۸۔ انیس ناگی، نذیر احمد کی ناول نگاری، لاہور، مکتبہ جمالیات ۱۹۸۱ء، ص: ۱۱

۱۹۔ نذیر احمد، ڈپٹی، مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، ص: ۲۳۱

۲۰۔ ایضاً، ص: ۲۶۸ تا ۲۶۹

۲۱۔ نذیر احمد، ڈپٹی، ایامی، لکھنو، اُتر پردیش اکادمی، ۲۰۱۵ء، ص: ۲۸

۲۲۔ نذیر احمد، ڈپٹی، ایامی، ص: ۲۹

۲۳۔ ایضاً، ص: ۴۹

۲۴۔ ایضاً، ص: ۶۰

۲۵۔ انیس ناگی، نذیر احمد کی ناول نگاری، ص: ۱۰۰

۲۶۔ نذیر احمد، ڈپٹی، مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد، ص:۱۰۲۵

۲۷۔ ایضاً، ص:۱۰۲۵

۲۸۔ ایضاً، ص:۱۱۵۲

۲۹۔ عقیل احمد صدیقی، 'نذیر احمد اور کولونیل ڈسکورس کی مزاحمت'، سہ ماہی 'فکر و نظر' علی گڑھ، ڈپٹی نذیر احمد نمبر، جون ۱۹۹۴ء، ص:۲۷

References in Roman Script:

1. For a detailed study of post-colonialism, submissiveness, reformative trends, and resistance dilemmas in the Urdu novel, see the following book:

   Muhammad Naim, Urdu Novel aur Istim'aariyat, Urdu Novel and Colonialism, Lahore: Aks Publications, 2017.

2. Sir Syed, Maqalaat-e-Sir Syed [Essays of Sir Syed], Volume 12 (Speeches/Lectures), (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 1993), p. 187.

3. For details, read Lecture No. 31 in full:

Nazir Ahmad, Lecturon ka Majmooa [Collection of Lectures], Volume 2, Agra: Mufid-e-Aam Steam Press, 1895.

4. Ashfaq Muhammad Khan, Dr., Nazir Ahmad ke Novel, Novels of Nazir Ahmad, (Delhi: Maktaba Jamia, 1979), p. 64–65.

5. Nazir Ahmad, Deputy, Majmooa Deputy Nazir Ahmad [Collected Works of Deputy Nazir Ahmad] (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2014), p. 373.

6. Nazir Ahmad, Deputy, Majmooa Deputy Nazir Ahmad, p. 366.

7. Nasir Abbas Nayyar, Urdu Adab ki Tashkeel-e-Jadeed [The Modern Formation of Urdu Literature] (Karachi: Oxford University Press, 2016), p. 103.

8. Nazir Ahmad, Deputy, Majmooa Deputy Nazir Ahmad, p. 427.

9. Anis Nagi, Nazir Ahmad ki Novel Nigari [Novel Writing of Nazir Ahmad] (Lahore: Maktaba Jamaliat, 1981), pp. 14–18.

10. Nasir Abbas Nayyar, Urdu Adab ki Tashkeel-e-Jadeed, pp. 122–123.

11. Nazir Ahmad, Deputy, Majmooa Deputy Nazir Ahmad, p. 55.

12. Ibid., p. 52.

13. Ibid., p. 53.

14. Ibid., p. 99.

15. Ibid., p. 108.

16. Ibid., p. 162.

17. Ibid., p. 174.

18. Anis Nagi, Nazir Ahmad ki Novel Nigari (Lahore: Maktaba Jamaliat, 1981), p. 11.

19. Nazir Ahmad, Deputy, Majmooa Deputy Nazir Ahmad, p. 231.

20. Ibid., pp. 268–269.

21. Nazir Ahmad, Deputy, Ayaami, Lucknow, Uttar Pradesh Academy, 2015, p. 28.

22. Nazir Ahmad, Deputy, Ayaami, p. 29.

23. Ibid., p. 49.

24. Ibid., p. 60.

25. Anis Nagi, Nazir Ahmad ki Novel Nigari, p. 100.

26. Nazir Ahmad, Deputy, Majmooa Deputy Nazir Ahmad, p. 1025.

27. Ibid., p. 1025.

28. Ibid., p. 1152.

29. Aqeel Ahmad Siddiqui, 'Nazir Ahmad aur Colonial Discourse ki Muzahmat', Nazir Ahmad and Resistance to Colonial Discourse, Quarterly Fikr-o-Nazar Aligarh, Deputy Nazir Ahmad Special Issue, June 1994, p. 72.